بین الاقوامی علمی تعلقات کافروغ اور اسلامی تمدن کا مستقبل

مؤلف: محمد حسینی مقدم

مترجم: مولانا سید حمید الحسن زیدی

خلاصہ

اسلامی تمدن کی پوری تاریخ میں اسلامی ممالک کی آپسی یکجہتی اور توسیع کے پیچھے بہت سے الگ الگ عوامل و اسباب کار فرمارہے ہیں اور یہ موضوع اسلامی تمدن کی تشکیل میں ایک اصلی اور بنیادی عامل قرار دیا گیا ہے جس کے لئے ایک طرف اسلامی ممالک کے درمیان علمی نقل و انتقال کی توسیع اور دوسری طرف اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کے درمیان آپسی تعاون نے اسلامی تمدن کی علمی اور ذہنی نشو و نما اور اس کے نمایاں طور پر پھلنے پھولنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس مقالہ میں یہ کوشش کی گئی ہے مستقبل پر دور اندیشانہ نظر ڈالتے ہوئے آنے والے دور میں اسلامی تمدن کی مطلوبہ پیش رفت کے لئے اس موضوع کے تمام تاریخی مراحل پر توجہ دی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ آئندہ بین الاقوامی سطح پر علمی نقل وانتقال کی توسیع کے دور میں اسلامی تمدن کی اس سے بہتر صورت حال کیا ہو سکتی ہے۔

اس مقالہ میں بنیادی طور پر جس دعویٰ کو پیش کیا گیا ہے وہ یہ کہ بین الاقوامی سطح پر مناسب علمی تعاون مختلف تقاضوں کے درمیان افہام و تفہیم کے راستے کھولے گا اور پھر اسلامی ممالک کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بہترین تعلقات کی فضا ہموار ہو گی۔ اس طرح اسلامی ممالک کے درمیان آپسی تعلقات اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر اچھا اثر پڑے گا جس کے نتیجہ میں اسلامی تمدن کی مطلوبہ کیفیت اور بہتر صورتحال کی تشکیل کے امکانات فراہم ہوں گے۔

اس مقالہ میں اختیار کئے گئے طریقہ تحریر میں وسیع تاریخی نقطہ نظر (macro historian) سے استفادہ کیا گیا ہے تاکہ وسیع پیمانے پر اس کے تاریخی مراحل کے بارے میں تحقیق کے ساتھ اسلامی ممالک کے درمیان باہمی معاملات میں علمی تعاون کے امکانات فراہم ہوں۔

اس سلسلہ میں تحقیق کا مقصد اور ان مراحل کا تجزیہ اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ موجودہ وقت میں اسلامی ممالک کے درمیان علمی تعاون اور مسائل کی کے نقل وانتقال کی کیفیت کا جائزہ لے کر مستقبل میں اس کی بدلی ہوئی تصویر اور اس کا اصلی نقشہ تیار کیا جاسکے اور یہ دیکھا جاسکے کہ مستقبل میں بین الاقوامی سطح پر اسلامی ممالک کے درمیان اسلامی تمدن کن مراحل سے دوچار ہو سکتا ہے

مذکوہ تحقیق اور مطالعہ سے حاصل ہونے والے اصلی نتائج کچھ اس طرح ہیں :

اسلامی ممالک کے درمیان بین الاقوامی سطح پر علمی تعاون کو بڑھاوادینے اور ان میں گہرائی پیدا کرنے کے لئے اس میں بہت سی خصوصیات کا پایا جانا ،اسلامی ممالک کے درمیان بین الاقوامی میدانوں میں تعاون کے سلسلے میں الگ الگ قسم کے متضاد افکار و نظریات ، مغرب کی طرف رجحان اور صاحبان فکر و تحقیق اور اسلامی ممالک کے متخصص صاحبان فن کی نظر میں مغربی تہذیب اور شہری ثقافت کو افسانوی خواب قرار دینا۔

اسلامی ممالک کے درمیان علمی تعاون کی مشینری(hub) کو مضبوط بنانا تعلیمی ، تحقیقی اور فنی میدانوں میں تعاون کی راہ ہموار ہونے کے لئے اسلامی ممالک کے درمیان بین الاقوامی سطح پر قرار دادوں کا پاس کرانا۔

مقدمہ

اسلامی تہذیب و ثقافت اپنے آغاز سے ہی مختلف نشیب و فراز سے دوچار رہی ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا سنہرا دور، اس کی تعمیر و ترقی اور اس کی بربادی کے ادوار کو اس کے نشیب و فراز کے نمونے کے طور پر دیکھا جاسکتاہے۔

دنیاکے موجودہ دور میں اسلامی ممالک کے درمیان روابط میں حقیقت اور موقعیت پسندی کے پیش نظر پولیٹکل نقطہ نظر، اقتصادی حالات کے مطابق ہمیشہ بڑی طاقتوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں۔

بڑی طاقتوں کے حامل تمام ممالک اپنے بہتر مستقبل کے لئے اسلامی ممالک میں اپنی دخل اندازی بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

دین اسلام کی آمد نے ان تمام عرب قبائل کو جو خانہ بدوش اور صحرا نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے چوتھائی

صدی سے کم مدت میں معجزاتی طور پر توحید کے پرچم تلے متحد کر دیا۔

عرب کے علاقہ سے تمام باطل خداؤں اور دیگر ادیان و مذاہب کا اثر ختم ہو گیا اور عرب کے مختلف قبائل پرچم توحید کے سائے میں ایک پلیٹ فارم پر آگئے سرکش، ماجراجو، اور بکھرے ہوئے افراد ایک دوسرے سے وابستہ ہو گئے اور اس طرح ایک جوش و خروش اور عزم و حوصلہ سے بھری ہوئی ایسی نا قابل شکست طاقت وجود میں آگئی جس نے مختصر سی مدت میں منظم افواج کو پسپا کر دیا بڑے بڑے ملکوں تک رسائی حاصل کی اور نصف صدی بھی نہیں گذری تھی کہ ایک عالمی تہذیب و ثقافت کی بنیاد پڑ گئی اس طرح کہ اس زمانے کی دنیا کے ایک بڑے حصہ پر اسلامی تہذیب و تمدن کی حکمرانی ہو گئی۔ (ابراہیم حسن، ۱۳۶۶: ۲)

اس تہذیب و ثقافت کے اس تیزی کی پھیلنے کی وجہ سے دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا اسنے اس زمانے کی قدیم دنیا کو تہہ و بالا کر دیا اور اس کے ویران کھنڈر پر ایک نئی دنیا کی بنیاد رکھی جس کا سیاسی، سماجی، اقتصادی اور اخلاقی نظام اس پرانی دنیا سے بالکل الگ تھا۔

اسلامی تمدن کے وجود میں آنے سے مسلمان قدرت، طاقت و دولت اور علم و فکر کی تخلیق کے اعتبار سے عظیم مدارج پر فائز ہو گئے۔

مسلمانوں نے اس دور میں موجود مختلف ثقافتوں کے بہترین عناصر کو اپنے دامن میں جگہ دے کر علمی اور فکری میدانوں میں ایک نئے عظیم تمدن کو جنم دیا جس میں بقول فرہنگ رجائی کے کہ " ایک طرح کی اندرونی ہماہنگی اور نظم پائے جانے کے ساتھ ساتھ علاقائی خصوصیات اور عالمی شکل اختیار کرنے کا دعوے جیسے سارے عناصر پائے جاتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ پوری دنیا پر چھا گیا اس عظیم اور منفرد شکل کے ذریعہ وسیع پیمانے پر اس دور کی تمام علمی اور فنی ایجادات کو اپنی مٹھی میں کر لیا اور اس طرح ایک بلا مقابلہ تسلط حاصل کرنے کی راہ میں اسلامی شریعت اور اسلامی تہذیب ایک عالمی تہذیب و ثقافت میں تبدیل ہو گئی "۔ رجائی، ۱۳۸۲،: ۹۹۔۹۴۔

ساتویں صدی میں مغل افواج کے حملے کے بعد وسیع پیمانے پر شہروں اور اسلامی تہذیب و ثقافت کے مراکز کی تباہی اور بربادی کے باوجود اسلامی تہذیب و ثقافت کو دسویں صدی میں دوبارہ زندہ ہونے کا موقع ملا اور اس بار اسلامی نقطہ نظر نے ماوراء النہر، ہندوستان، ایران اور عثمانی سلطنت کو ساتھ لے لیا اس طرح ایک بڑی صفوی سلطنت ایران میں، عثمانی سلطنت ترکی میں، گورگانی سلطنت ہندوستان میں قائم ہوئی ان میں سے ہر ایک نے

اسلام کے بارے میں اپنی سمجھ کی بنیاد پر دوبارہ اسلامی تہذیب و ثقافت کو بین الاقوامی عظمت و سربلندی سے ہمکنار کیا اگرچہ یہ اسلامی ثقافت مغربی ٹکنالوجی کی تعمیر و ترقی اور اس کے پوری دنیا پر اثر انداز ہونے کی وجہ سے دوبارہ تنزلی کی راہ پر گامزن ہونے لگی اور آہستہ آہستہ اسے کنارہ کش کر دیا۔ حسین مقدم وضیع اجلالی، ۱۳۹۱۔

اس سلسلہ میں کوشش کی گئی ہے کہ مستقبل میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو اس کی مطلوبہ شکل تک پہنچانے اور اسے مضبوط بنانے کے لئے ایک فیصلہ کن محرک کے طور پر اس کے بارے میں تحقیق اور جستجو کی جائے۔

اسی وجہ سے ہمارے مضمون کے اس حصہ میں مذکورہ تہذیب و ثقافت کو تشکیل دینے والے محرکات کو پہچانئے اور ان کی موضوع بندی کے مفہومی نمونے پیش کئے گئے ہیں۔

اسلامی تہذیب و ثقافت کو پہچاننے کے مفہومی نمونے

مذکورہ نکات کی روشنی میں آج کے زمانے میں اسلامی دنیا کے اندرونی اور بیرونی اسباب و عوامل اسلامی ممالک کی تشکیل کے حالات اور ان کی کیفیت اور اس کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں اگر اور زیادہ واضح لفظوں میں کہا جائے تو اسلامی ممالک کے اندر کچھ اسباب و عوامل جیسے مرکزی حکومت کا اقتدار، ان ترقیاتی منصوبوں کی وسعت، عالمی اقتصاد میں اسلامی ممالک کی حصہ داری، اسلامی ممالک کا اپنے اندرونی مسائل و مشکلات پر کنٹرول، حکومت کے کاموں سے لوگوں کے راضی ہونے کی کیفیت اور مقدار، اسلامی ممالک کی علم و صنعت کے میدان میں ترقیاتی کاموں کی کیفیت اور حالات، اسی طرح اسلامی ممالک کے باہر کے اسباب و عوامل جیسے دیگر ممالک کے ساتھ ان کی سیاسی اور اقتصادی قرار دیں، اسلامی ممالک کی دیگر ممالک سے وابستگی یا عدم وابستگی کی مقدار اور اسلامی ممالک کا بین الاقوامی اور عالمی سطح پر الگ الگ مناسبتوں پر کیا اثر ہوتا ہے نیز اس کا اسلامی ممالک کے مستقبل کی تشکیل میں کیا کردار ہو سکتا ہے وغیرہ اور آخر کار یہ سوال کہ اسلامی ممالک کا کیا مستقبل ہوگا؟۔

تاریخی سماجیات کی نظر میں ایک ملک کے لوگوں کا دوسرے ملک کے لوگوں کے ساتھ لین دین، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر ان کے درمیان سیاسی، اقتصادی، حفاظتی روابط کے مضبوط ہونے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مختلف ممالک کے آپسی تعلقات میں جتنی زیادہ وسعت ہوتی رہتی ہے اور جتنے زیادہ سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات بڑھتے رہتے ہیں اسی اعتبار سے ان کے سیاسی مستقبل اور ان سے متعلق دیگر امور کی تشکیل ہوتی ہے مثال کے طور پر اگر ایران اور سعودی عرب کے روابط مختلف میدانوں جیسے سیاست، اقتصاد، ثقافت وغیرہ میں اور زیادہ گہرے ہو جائیں تو ان کی حکومتیں بھی ان روابط کا پاس و لحاظ رکھنے کی پابند ہوں گی چاہے وہ اندر سے اس کی طرف مائل نہ بھی ہوں۔

اس موضوع کی مزید وضاحت کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایران کی یونیورسٹی سطح کے طالب علم سعودی عرب میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جائیں یا ایران کی یونیورسٹی کے اساتذہ اپنے اپنے شعبہ کے اعتبار سے اپنے علمی مطالعہ اور مختصر مدتی یا طویل مدتی تعلیمی مراحل کے لیے سعودی عرب کا انتخاب کریں اور اسی طرح سعودی عرب کے اساتذہ وتلامذہ بھی اپنے اپنے عملی دائرہ کار کے اعتبار سے یہی رویہ اختیار کریں تو اس کا دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کی کیفیت اور ان کی بہتری پر گہرا اثر پڑے گا اور ان کے موجودہ تعلقات میں بہتری پیدا ہوگی اس طرح ان دونوں ممالک کے درمیان مطلوبہ روابط کی کیفیت پیدا ہوگی۔

سردست ایران اور سعودی عرب کے درمیان علمی سطح پر اس طرح کے روابط نہیں ہیں اور دونوں ممالک کے درمیان روابط کی موجودہ صورتحال کی اصلی وجہ اس طرح کے تعلقات کا نہ ہونا ہی ہے۔

ایران اور متحدہ عرب امارات کے درمیان تعلقات کی کیفیت ہمارے اس دعویٰ کی بہترین دلیل ہے اگرچہ ایران اور متحدہ عرب امارات کے درمیان بھی کسی طرح کی یکجہتی اور یکسوئی نہیں پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی اور تجارتی روابط نے دونوں ممالک کے درمیان سخت کشاکشی کو لگام دے رکھی ہے اور اس طرح ان دونوں کے درمیان اقتصادی لین دین جاری ہے۔

مذکورہ نکات اور مثال کی روشنی میں اسلامی ممالک کے درمیان مستقبل میں کس طرح کے تعلقات ہوں گے اس کے لئے سیاسی، اقتصادی، سماجی، فنی، ماحولیاتی، عقیدتی اسباب وعوامل کے ساتھ ایک ماڈل یا نمونہ اس شکل نمبر ایک کے مطابق پیش کیا جاسکتا ہے۔

”شکل۔ا۔اسلامی تمدن کے مستقبل کی تشکیل کے محرکات کو تشخیص دینے کاماڈل یا نمونہ

اس شکل کے مطابق ایک طرح سے بہت قریبی روابط جو مختلف اقتصادی،سیاسی،سماجی،ثقافتی،فنی میدانوں میں اسلامی تمدن کی تشکیل میں مددگار ہوں گے لہٰذا اس طرز تفکر کی بنیاد پر اس بات پر غور کیا جائے گا کہ کس طرح اسلامی تمدن کی اس مطلوبہ صورت تک پہونچا جائے جہاں اسے کسی طرح کا الگ الگ ماحول اسے متاثر نہ کرسکے۔

اس تحریر میں ہماری کوشش ہوگی کہ ایک holistic نقطہ نظر سے الگ الگ ہر اس ماحول کا جائزہ لیں جو اسلامی تمدن کی تشکیل کی راہ میں کسی طرح کا کردار ادا کر سکتا ہے ہمارا یہ جائزہ یا یہ تحقیق اسلامی ممالک کے درمیان آپس میں علمی نقل وانتقال کی مقدار پر منحصر ہوگا۔

واضح طور پر یہ کہا جائے کہ ہماری کوشش ہوگی کہ بین الاقوامی ڈیٹا کلیکٹ کرنے والی کمپنیوں کی جانب سے دئے

گئے ڈیٹا کے مطابق environmental scanning کے مطابق تحقیق ہو اور یہ اندازہ لگایا جائے کہ اسلامی سماج کے مختلف اعضاء کے درمیان کس طرح کے روابط ہیں اور ان روابط کا آپسی تعاون بڑھانے یا اسے کم کرنے پر کیا اثر پڑتا ہے؟۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم غیر یقینی امور کیا ہیں ان غیر یقینی امور کی روشن میں اسلامی تمدن کی بدلی ہوئی شکل کیا ہو گی؟

اسلامی ممالک کا آپس میں علمی نقل و انتقال

اعلی سطح پر تعلیم کے سلسلہ میں بین الاقوامی فعالیتیں بہت حد تک معنوی اقدار کی بنیاد پر ہوتی ہیں البتہ ان اقدار کو معنوی اور مادی اقتدار کی صورت میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح آپس میں مسابقاتی کیفیت پیدا ہو گی اور اقتصادی ترقی کا راستہ یونیورسٹیوں کی بین الاقوامی فعالیتوں کی بنیاد پر طے ہو گا اور پھر ثقافتی ڈپلومیسی کے ذریعہ تمام ممالک کے درمیان طویل مدت غیر مادی مفادات کی راہ ہموار ہو گی، اسلامی ثقافت کے سنہرے دور میں ان غیر مادی مفادات کے حصول کے لئے اسلامی مفکرین کی جانب سے اسلامی اور غیر اسلامی دونوں سرزمینوں میں خاطر خواہ کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

تاریخی تنزلی کے بعد یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ اسلامی ثقافت کی صورتحال پر اس کا بالکل الٹا اثر پڑا ہے جبکہ غیر اسلامی ممالک اپنی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے اور اس کے نتیجے میں اپنے طویل مدت مادی اور غیر مادی مفادات کے حصول کے لئے کوشاں رہے ہیں خاص طور پر مغربی دنیا کے ثقافتی اور علمی معاشرے نے اسلامی اور غیر اسلامی دونوں طرح کے ممالک میں اپنی پیٹھ مضبوط کرنے کی راہ میں ضروری قدم اٹھائے ہیں۔

مثال کے طور پر ایران میں مذہبی مبلغوں کی کارکردگی کے آغاز کے لئے جدید اسکول اور کالجز کی تشکیل کو دیکھا جا سکتا ہے کہ ان کی معنوی اہمیت اور عظمت کا احساس اس وقت شروع ہوا جب اعلی سطح کے جدید تعلیمی نظام کی تشکیل و تدوین ہوئی۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اسکول اور کالج ایسے شہروں میں بناتے تھے جہاں مذہبی اقلیتیں

زندگی بسر کرتی تھیں جس کی وجہ سے انہیں اپنی مذہبی تبلیغ اور نئے اسکول اور کالجز بنانے میں مدد ملتی تھی (صلاحی وبسناس ۱۳۸۲: ۹)۔

وہ لوگ دینی اقدار کی پاسبانی کرنے کے ساتھ ساتھ ایران میں اپنی پیٹھ مضبوط بنانے کے موضوع پر بھی خاطر خواہ توجہ دیتے تھے مثلاارومیہ نامی شہر جو عثمانی خلافت کے مرکز کے قریب تھاان کے مذہبی مبلغین کے لئے عثمانی خلافت میں اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کی راہ میں آسانی فراہم کرسکتا تھا۔

شہر تبریزان بیرونی مبلغین کے لئے اسکول بنانے کاایک دوسرااہم مرکز تھااس شہر کاانتخاب بھی اس لئے کیا گیا تھا کہ وہاں سلطنت قاجار کے ولی عہد کی رہائش تھی جس کی وجہ سے حکمراں کی قربت حاصل ہوسکتی تھی اس شہر میں ان کی فعالیت ایران کے حکام کے دربار میں جگہ بنانے میں مددگار ثابت ہوسکتی تھی تہران میں اسکول اور کالجز بنانے کی مہم بھی ہمارے اس دعوے کی تائید ہے اس لئے کہ شہر تہران دارالحکومت ہونے اور وہاں دیگر ممالک کی سفارتیں ہونے کی وجہ سے ان کے سیاسی مقاصد کے حصول کی راہ میں اہم کردار ادا کرسکتا تھا (صلاحی ۱۳۸۲وہی حوالہ)۔

اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ دیگر ممالک کی تہذیب و ثقافت میں اپنی جگہ بنانے کے لئے ایک اہم رکن ان کے علمی معاشرے میں نفوذ ہے یعنی اس مقصد کے حصول کی راہ علمی نقل وانتقال کابڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔

اس طریقہ کار کے مطابق بیرونی طلباء اور محققین کو اپنی علمی فعالیت میں شامل کرناایک طرح سے ان کے نرم رویہ کی طرف اشارہ شمار کیا جاسکتا ہے۔

افکاروخیالات کے بدلنے اور اقداروتعلیمات پر اثر انداز ہونے میں اس طرح کے نرم رویہ سے فائدہ اٹھانے کا خرچ بہت معمولی اوراس کے اثرات و نتائج بہت زیادہ، پائیداراور ہمہ گیر ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ ایران میں بیرونی طلبہ کو داخلہ دینے کا مقصد بھی اسی طرح کی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے اس طرح کی منصوبہ بندی کے مطابق یہ امید کی جاتی ہے کہ طلبہ ایران میں اپنی تعلیم کے دوران ایران کی اسلامی حکومت کی کامیابیوں اوراس کے علمی اور جدید ٹیکنالوجی سے مربوط ترقیاتی کاموں سے واقف ہونے کے ساتھ

اسلامی جمہوریہ ایران کے ثقافتی نمائندے اور سفیر کے طور پر کام کریں گے یہی وجہ ہے کہ بیرونی طلاب کو داخلہ دینے کی راہ میں ایران کی کوشش اور اس کا کوٹہ دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جیساکہ پہلے وہ تعداد ذکر کی جاچکی ہے جس میں بتایا گیا کہ ۲۰۱۲ میں انگلینڈ نے ۱۲۷ جبکہ ایران نے ۱۴۲۶۰ طلباء کی تعلیم کے لئے پشت پناہی کی ہے۔

انگلینڈ کی حکومت ہر سال بیرونی طلبہ کی ایک بڑی تعداد کا اس مقصد سے اپنے یہاں اقتصادی پشت پناہی کے ساتھ داخلہ لیتی ہے کہ وہ لیڈر اور فیصلہ کن افراد کے طور پر اس کے نمائندے کی صورت میں اپنی فعالیت انجام دیں گے مثال کے طور پر اس نے ۲۰۱۲۔ ۲۰۱۳ء میں ۱۲۷ کامیاب طلبہ کو تعلیمی اخراجات فراہم کئے اس کے لئے اس نے ۱۷ ملین پاؤنڈ کا بجٹ مخصوص کیا جس میں سے ۳ ملین پاؤنڈ پرائیوٹ اداروں نے فراہم کیا۔ جن افراد کو یہ تعلیمی اخراجات فراہم ہوئے وہ دنیا کے گوشہ و کنار میں معزز افراد کے طور پر ایک منظّم تحریک چلانے میں کامیاب ہوئے جس کے ذریعہ ان ممالک میں انگلینڈ کے اثرات کو بڑھاوادینے میں مدد ملے ان کی یہ ترکیب ان ممالک میں اس کی پیٹھ مضبوط کرنے کی راہ میں کارگر ثابت ہوئی۔

سرِ دست اس منظّم تحریک میں ۴۱ ہزار افراد شامل ہیں جو ۱۵۰ ممالک میں فعالیت کر رہے ہیں۔

Department for Business, Innovation & skills,5312013

اس اعتبار سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر اپنی تہذیب و ثقافت کو پروان چڑھانے کے لئے بہت سے ممالک اس طرح کی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں امریکہ کی منصوبہ بندی اور کوششیں سب سے زیادہ نمایاں ہیں بنیادی طور پر امریکہ کی ڈپلومیسی کا اصل کام بقیہ ممالک کے ساتھ عالمی سطح پر علمی نقل وانتقال کو بڑھاوادینا ہے خاص طور پر ترقی پذیر ممالک کے ساتھ۔

امریکہ میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان پوری دنیا کے اسٹوڈنٹ میں سب سے زیادہ پایا جاتا ہے چاہے وہ آئیڈیالوجی کے اعتبار سے ان سے متفق نہ ہوں۔

جین نائٹ کی تحقیق کے مطابق ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد بہت سے اسٹوڈنٹ کے لئے امریکہ کا سفر اور وہاں کا ویزا

حاصل کرنا مشکل ہوگیا خاص طور پر اسلامی ممالک کے افراد کے لئے۔

ایک نئی تحقیق جو انگلینڈ کی ثقافتی ایجنسیوں نے مسلمانوں کے ۵ ہزار طلبہ پر انجام دی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ترکی اور مصر و سعودی عرب وغیرہ کے اسٹوڈنٹ کے لئے امریکہ میں تعلیم حاصل کرنا ان کی سب سے پہلی پسند ہے (نائٹ ۱۳۷۸: ۱۱۳)۔

یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی وزارت خارجہ نے گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال کے باوجود ویزا دینے کی سیاست میں تبدیلی کی اور اس بات کی کوشش کی کہ بین الاقوامی سطح پر خاص طور پر اسلامی ممالک کے طلاب و محققین دوبارہ امریکہ آئیں اور اس سلسلے میں ان کی ممکنہ حمایت کی جائے (رنجبر ۱۳۸۹)۔

بین الاقوامی سطح پر علمی تبادل نظر اور نقل و انتقال کی ایک اور اہم معنوی اور غیر مادی وجہ علم و صنعت کے میدان میں جدید ترقیاتی نظریات تک پہنچنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۲ء سے ۲۰۱۰ء تک میڈیکل میں نوبل انعام حاصل کرنے والے ۶۵ فیصد افراد امریکہ کے باہر پیدا ہونے والے محققین تھے۔

اسی طرح فزکس کا نوبل انعام جیتنے والے ۵۵ افراد میں سے اٹھارہ افراد بھی امریکہ کے باہر کے تھے اور کیمسٹری کے ۳۷ افراد میں سے ۱۳ امریکہ کے باہر کے رہنے والے تھے (فتحی ۱۳۸۹: ۱۸)۔

غیر ایرانی طالبات کو داخلہ دینے اور ان کے اخراجات فراہم کرنے کے لئے اسکالر شپ اور دیگر ضروریات فراہم کرنے کے سلسلے میں کچھ کلی معیار پیش نظر رکھے گئے ہیں۔

جیسے قومی مفادات کی راہ میں ان ممالک کی اہمیت، پڑوس کا خیال، ژئوپلوٹیک اور اور ژئو اسٹریٹیجیک کی بنیاد پر ایران کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات، اس کے علاوہ آئیڈیالوجی میں متفق ہونا جیسے اسلامی ہونا وغیرہ دوسرے ممالک کے طلبہ کو داخلہ دینے کے عمومی معیار رہے ہیں۔

گزشتہ دو عشروں میں غیر ایرانی طلاب کے داخلے کی گذشتہ اور موجودہ صورتحال کے بارے میں تحقیق کے کچھ اہم نکات سامنے آئے ہیں ان میں سے ایک اہم نکتہ ان ممالک کا انتخاب ہے جن سے روابط مقصود ہوں مثال کے طور اس سلسلہ میں انجام پانے والی تحقیقات بیان کرتی ہیں کہ گزشتہ ایک صدی میں ایران کے سب سے زیادہ تعلقات اور آپسی تعاون، تمام اسلامی ممالک کے درمیان ترکی سے سب سے زیادہ رہے ہیں (دیدگاہ و ہمکاران ۱۳۹۰: ۹۹)۔

لیکن اس کے باوجود اسکالرشپ کے ساتھ اس ملک کے طلبہ کو داخلہ دینے کی نسبت بہت کم ہے جبکہ ایران اور ترکی کے درمیان تاریخی اور ثقافتی روابط خاص طور پر علاقے میں ترکی کی اہمیت کے پیش نظر اس ملک کے طلبہ کے داخلہ کو سرفہرست ہونا چاہیے تھا۔

۱۳۷۰ ہجری شمسی سے اب تک صرف ایک سو چودہ اسٹوڈنٹ کو ہی اسکالرشپ فراہم ہوئی ہے یعنی ایرانی حکومت کی جانب سے صرف اتنے ہی طلبہ کو ان کے تمام اخراجات ادا کئے گئے ہیں۔

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد وہاں کی خارجہ پالیسی میں ترکی کو خاص اہمیت حاصل ہوئی لیکن اس کے باوجود دونوں ممالک کے درمیان علمی سطح پر گہرے تعلقات نہیں ہوسکے۔

۱۳۸۰ ھ ش سے اب تک سیریا کے چار سو پچیس اسٹوڈنٹ کا داخلہ لیکر ایران سورین طلاب کا داخلہ لینے کے اعتبار سے تیرہواں ملک رہا ہے۔

جبکہ سعودی عرب ۸۴۴۸ طلاب کو داخلہ دے کر پہلا ملک قرار پایا ہے؛ متحدہ عرب امارات، ترکی، جرمنی اور مصر دوسرے سے پانچویں نمبر پر رہے ہیں اس سلسلے میں ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ ترکی کی طرف سے آزاد تعلیم کے لئے سیریا کے مقابلے میں زیادہ درخواستیں ہیں۔

واضح طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ان کے اپنے ہم سو ممالک میں سے ترکی، لبنان سوریہ، عراق کے ساتھ ساتھ روابط اور وہاں کے طلاب کو داخلہ دینے کے سلسلے میں ایک طویل مدت منصوبہ بندی کے مطابق کچھ نئے فیصلے لینے کی ضرورت

ہے شاید یہی وجہ ہے کہ سوریہ کے طلاب ایران میں آزاد تعلیم کو ترجیح نہیں دیتے اور اگر وہ ایران میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے بھی ہیں تو صرف اس موقعیت کی بنیاد پر جو انکے اپنے ملک نے ان کیلئے فراہم کی ہے۔

چنانچہ اگر یہ طے ہو کہ وہ تعلیم کا خرچہ خود برداشت کریں گے تو ممکن ہے کہ وہ ایران کے علاوہ دیگر ممالک میں تعلیم کو ترجیح دیں؛ ۲۰۱۷ء میں یونیسکو نے ایران میں طلاب کے داخلہ اور وہاں کے طلاب کو تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نقشہ کی صورت میں یہ رپورٹ پیش کی ہے۔

نقشہ ۱۔ ایران میں بیرونی ممالک کے طلاب کے داخلے اور ایرانی طلاب کو تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کے حوالہ سے یونیسکو کی جانب سے پیش کیا گیا نقشہ

ممالک کے نام	تعلیم کیلئے بیرون ممالک بھیجے گئے طلاب کی تعداد	بیرون ممالک طلاب کے ایران میں داخلے کی تعداد
ایران	۵۱۳۹۵	۱۳۷۶۷
متحدہ امارات	۱۰۶۵۱	۷۳۴۴۵
جارڈن	۲۲۲۹۵	۴۰۳۸۷
ترکی	۴۵۸۲۰	۷۲۱۷۸
قطر	۵۰۱۰۷	۱۰۵۰۹
سعودی عرب	۸۶۴۸۶	۷۳۰۷۷
ملیشیاء	۶۴۴۸۰	۶۰۲۴۴
مصر	۲۸۷۱۹	۴۷۸۱۵

نقشہ نمبرا میں دیئے گئے اعداد و شمار کے بارے میں میں تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ تقریبا۳۲۰۰ غیر ایرانی اسٹوڈنٹ اسوقت ایران میں موجود ہیں اس سلسلے میں ایک اہم مسئلہ اسٹوڈنٹ کا باہر بھیجنا اور بیرونی طلبہ کو ملکی یونیورسٹیوں میں داخلہ دینے کی نسبت ہے۔

واضح لفظوں میں یہ کہا جائے کہ بیرونی طلاب کو داخلہ دینے یا اپنے طلاب کو باہر بھیجنے میں بڑے اور ترقی یافتہ ممالک کا نقطہ نظر انتہائی مثبت ہے اس طرح کہ وہ جتنے طلبہ کو داخلے کے لیے باہر بھیجتے ہیں اتنے بیرونی طلبہ کو اپنے یہاں یونورسٹیوں میں جگہ دیتے ہیں جبکہ اسلامی ممالک میں اس طرح کے روابط کی صورت حال منفی ہے۔

تمام عربی ممالک میں مصر کو ایک طویل مدت علمی خدمات کا تجربہ حاصل رہا ہے، اس ملک نے ۲۰۱۷ء میں ۲۶ ہزار طلاب کو تعلیم کے لئے باہر بھیجا جبکہ اسی دوران پانچ ہزار طلاب کو اپنے یہاں داخلہ دیا۔

ایران میں اس طرح سے داخلہ لینے اور باہر بھیجنے کی کیفیت منفی ہے یعنی ایران نے تقریبا ۵۱ ہزار افراد کو تعلیم کے لئے باہر بھیجا اور صرف ۱۴ ہزار طلاب کو اپنے یہاں داخلہ دیا ہے جبکہ ان میں بھی ایک بڑی تعداد ان طلبہ کی ہے جو پہلے سے ایران میں مقیم ہیں۔ اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایران میں خود ایرانی طلاب کے مقابلے میں جن کی تعداد ۴۵ لاکھ افراد پر مشتمل ہے بیرونی طلاب کی تعداد متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، مصر، ترکی اور جارڈن میں بیرونی طلبہ کی بہ نسبت زیرو کے برابر ہے جبکہ تحقیق کے مطابق یہ تعداد متحدہ عرب امارات میں ۳۹ فیصد ہے یعنی متحدہ عرب امارات میں تعلیم حاصل کرنے والے طلاب میں تقریبا ۳۹ فیصد بیرونی طلاب ہیں۔

متحدہ عرب امارات کے بعد دوسرا اور تیسرا درجہ قطر اور بحرین کا ہے جہاں کل طلاب میں سے قطر میں ۲۸ فیصد اور بحرین میں ۱۴ فیصد بیرونی طلاب ہیں (شفیع زادہ و پویافر ۱۳۹۰-۱۲۶-۱۲۵)۔

بیرونی طلاب کے داخلے اور اپنے طلاب کو باہر بھیجنے کی نسبت کے علاوہ جن ممالک کے طلاب کو داخلہ دیا جارہا ہے ان ممالک کا متنوع (یعنی الگ الگ طرح کا) ہونا ہے مثال کے طور پر ترکی ۱۵۰ ممالک سے اور ایران صرف ۲۰ ممالک سے طلاب کو اپنے یہاں داخلہ دیتا ہے، ایران میں ۱۳۷۶۷ طلاب ہیں جن میں سے تقریبا ۸۲ فیصد یعنی ۱۱۳۱۳ صرف افغانستان ۱۱۹۴ عراق سے ۴۴۵ طلاب سیریا سے ہیں۔

۲۰۱۷ ءمیں ترکی کے صرف ۳۰ طلاب کو داخلہ دیا گیا جو تمام بیرونی طلاب کا ۲/۰فیصد ہے جبکہ اسی سال ۵۳۰۲ ایرانی طلاب ترکی میں تعلیم کے لئے مقیم ہیں یعنی ترکی میں بیرونی طلاب کا فیصد ۵. ٪ (یونسکو ۲۰۱۷)۔

بعض محققین کے مطابق مذکورہ تعداد کے چار بنیادی عناصر ہیں:

۱۔ سیاسی اعتقادی اعتبار سے ایک دوسرے سے قریب ہونا

۲۔ جغرافیائی اعتبار سے قریب ہونا

۳۔ ایران میں بیرونی افراد کا قیام

۴۔ زبان کے اعتبار سے ایک ہونا جیسے دونوں ملکوں کا فارسی زبان ہونا (بزر گمہری ۱۳۸۵)۔

مختلف ممالک کے دانشوروں اور صاحبان علم و تحقیق کا ایک دوسرے سے جڑے رہنا علمی نقل و انتقال سے مربوط امور کا ایک اہم حصہ ہے جس سے الگ الگ افراد اور اداروں کو بہت سے مفادات حاصل ہوتے ہیں اس طرح کے آپسی تعاون کی راہ میں حکومتوں کی جانب سے امکانات فراہم کرنے کا ایک بڑا اثر ہوتا ہے جس سے علمی اور ادبی میدانوں میں بڑی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں جورجیا کے دو محققین کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے انفرادی تجزیہ و تحلیل کی سطح میں یونیورسٹیوں سے جڑے ہوئے دانشوروں کا کردار بہت اہم ہوتا ہے وہ نئے علمی نظریات سامنے لانے میں کافی موثر ثابت ہوتے ہیں۔

علمی دنیا میں جدید رجحانات کی راہ میں یونیورسٹیوں کے درمیان آپس کے تعاون کے اثرات کا اندازہ لگانے کے لئے ان محققین نے کچھ معیار بنائے ہیں ان دونوں محققین کے مطابق بین الاقوامی سطح پر آپسی تعاون اور روابط، جدید نظریات کی پیدائش میں زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔

ان روابط میں اضافہ، جدید نظریات کے پیدا ہونے کی راہ میں تعداد اور کیفیت دونوں اعتبار سے بہتری لاتا ہے اسی طرح بہت سی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ یونیورسٹیوں کے افراد میں اجتماعی تعاون جدید نظریات میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم و ترقی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے بین الاقوامی سطح پر تعلیمی نظریات کے فروغ

میں آپسی تعاون نے مختلف ممالک کے درمیان تعلیم کے میدان میں ایک دوسرے پر سبقت کی راہ ہموار کر دی ہے اس مہم کو پرکھنے کا ایک طریقہ کار ایک ساتھ مل کر تصنیف و تالیف کا کام انجام دینا ہے۔ یعنی کئی علاقوں کے لوگ مل کر کسی ایک ادارے سے اپنے نظریات کی کتاب شائع کر سکتے ہیں۔

نقشہ نمبر ۲ میں ایک ساتھ تالیف کے عمل کو تمام شائع ہونے والے نشریات کی بہ نسبت دکھایا گیا ہے ان شائع ہونے والے مقالات میں انجام پانے والی تحقیقات کے مطابق بین الاقوامی سطح پر آپسی تعاون کی بنیاد پر تیار ہونے والے مقالات ان کے حوالہ جات کی کثرت کے اعتبار سے اسی زمانے میں بغیر اپسی تعاون کے انجام پائے مقالات کی بہ نسبت زیادہ منظّم، ہماہنگ اور مستند ہیں۔

نقشہ ۲۔ منتخب ممالک کے باہمی تالیفات

ملک کا نام	تمام شائع شدہ مقالات کا فیصد
امریکہ	۲۸،۵
انگلینڈ	۴۴،۴
جرمنی	۴۴،۷
چین	۱۴،۷
جاپان	۲۳،۷
جنوبی کوریا	۲۵،۹
ہندوستان	۱۷،۵
برازیل	۲۴،۴
روس	۲۹،۴

بین الاقوامی تعاون کے بارے میں ایرانی محققین کے ذریعے انجام دی گئی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی محققین کا دیگر ممالک کے اپنے ہم منصب یا ہم پیشہ محققین کے ساتھ علمی تعاون کا رابطہ بہت سست اور کمزور ہے۔(دیدگاہ وہمکاران ۱۳۹۰-۹۶-۹۵)

اس سلسلے میں ایرانی اور غیر ایرانی محققین کے درمیان مشترک مقالہ سے متعلق ڈیٹا کے بارے میں تحقیق بھی قابل غور ہے۔

انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد سے اسلامی ممالک کے ساتھ تعاون کے بارے میں ایرانی حکمرانوں اور سیاستدانوں کی بھرپور توجہ صرف آڈیالوجی کی بنیاد پر رہی ہے جس کا تذکرہ مدارک میں موجود ہے۔

اسلامی کانفرنس جو چار براعظموں کے ۵۷ ممالک پر مشتمل ہے اور جس کی کل آبادی تقریباً ایک ارب ۶ سو ملین ہے۔اس اعتبار سے ایران کا دیگر ممالک کے ساتھ تعاون ان ممالک کے درمیان بہت سے مشترکہ امور کے پیش نظر بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

۱۹۴۰ء کے عشرے سے لے کر ۱۹۹۰ء تک صرف ۶۷۵ علمی مقالے ایرانی محققین اور ان کے غیر ملکی ہم منصبوں کے باہمی قلم کے ذریعے منظر عام پر آئے ہیں۔

جو مذکورہ مدت میں ایرانی محققین کی تحقیقات کا تقریباً ایک فیصد حصہ ہی ہے۔

مشترکہ علمی تخلیقات کی تعداد کے مطابق ۱۲ اسلامی ممالک جن کے ساتھ تعاون پر ایران نے خاص توجہ دی ہے ترکی اور ملیشیاء ہیں ان برسوں میں ۲۵۴ مقالے ترکی کے ساتھ اور ۲۰۴ ملیشیاء کے ساتھ مل کر شائع ہوئے ہیں۔

ترکی دانشوروں کے ساتھ سب سے زیادہ تعاون آئی حیاتیات اور بائیوکیمسٹری کے شعبے میں ہوا ہے۔

جبکہ کہ ملیشیاء کے ساتھ کیمسٹری کے شعبے میں سب سے زیادہ تعاون انجام پایا ہے۔(دیدگاہ وہمکاران ۱۳۹۰-۱۰۶-۱۰۰)

اس مدت میں ایران اور ان ممالک کے ساتھ اس طرح کے تعاون کی صورتحال اس دور میں ہوئی جب ایران کے لئے ان دونوں ممالک کے ساتھ تعلقات اولویت میں نہیں تھے۔

اس دوران ترکی اور ملیشیاء کے طلاب کا ایران کی یونیورسٹیوں میں داخلہ ہمارے اس دعوے کی دلیل ہے انقلاب اسلامی ایران کے بعد جب سے ملیشیاء کے طلاب کا داخلہ شروع ہوا ہے اس وقت سے صرف ملیشیاء کے صرف ۵ طلاب کو ہی اسکالرشپ ملی ہے۔

ترکی کے طلاب نے بھی دیگر ممالک جیسے افغانستان سیریا لبنان فلسطین وغیرہ کی بہ نسبت بہت کم ہی اسکالرشپ اور دیگر اخراجات کے ساتھ ایران میں داخلہ لیا ہے۔

ایران کا علمی طبقہ وہاں کی اعلی سطحی تعلیمات پر حکم فرما نظریات کے برخلاف مغربی ممالک کے ساتھ تعاون میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے مثال کے طور پر ایران اور امریکہ کے درمیان علمی معاملات کی راہیں کچھ اسباب و عوامل کی بناء پر موانع سے دوچار ہیں۔

لیکن دونوں ممالک کے دانشوروں کا عزم وارادہ آپس میں علمی تحقیقات کی نشر واشاعت کو بڑھاوا دینا ہے۔

ابھی حال ہی میں امریکہ کی ایک قومی فاؤنڈیشن نے اعلان کیا ہے کہ ایران اور یورپ کے اٹھارہ ملکوں میں سے چودہ ملکوں کے درمیان مشترک مقالات میں نسبتا اضافہ ہوا ہے یورپین ممالک میں سے صرف ہالینڈ، انگلینڈ اور ناروے ہیں جنہوں نے ایران کے ساتھ تعاون میں کمی کی ہے۔

ایرانی دانشوروں کے درمیان مشترک مقالات میں سن ۲۰۰۲ء سے ۲۰۰۸ء تک اضافہ ہوا ہے (jillson2013)۔

اسلامی ممالک کی آپس میں علمی نقل وانتقال اور اسی طرح غیر اسلامی ممالک کے ساتھ تعاون کی س کیفیت بھی ایران جیسی ہی ہے۔

ان کی میں باہمی تالیفات، ان کے طلاب کا دوسرے ممالک میں تعلیم حاصل کرنا، اور ان کے بین الاقوامی تعلیمی اور تحقیقی پروگرام اسلامی یا غیر اسلامی ممالک میں سب سے زیادہ امریکہ، انگلینڈ، آسٹریلیا، فرانس اور جرمنی سے وابستہ ہیں۔

ان مشترکہ اور باہمی مقالات کے اثرات کی نسبت کا موضوع خود اس بات کا گواہ ہے جو اس طرح کے تعاون کے نتیجے میں منظر عام پر آئے ہیں مثال کے طور پر جو مقالات ایرانی اور غیر ایرانی محققین کی مشترکہ کاوشوں کے

نتیجہ میں شائع ہوئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ ان کی تاثیر دیگر مقالوں کی بہ نسبت زیادہ ہے بلکہ ان کا بین الاقوامی سطح پر چرچا بھی ہوا ہے۔

اس تاثیر کی نسبت کو عام طور پر ایک قابل استناد مورد کی طرف رجوع کئے جانے کی تعداد سے مربوط کیا جاتا ہے جیسے ایک وقت میں کسی ایک مقالہ، خط، نوٹ، خلاصہ کی طرف کتنے لوگوں نے رجوع کیا ہے۔

اس معیار کو رسالوں کے institute for seien tibie in formation کے مطابق مستند ہونے کی پرکھ کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے جس کی بنیاد پر اس کی طرف سے ہر سال رسالوں کی طرف رجوع کرنے کے اعتبار سے ان کی میرٹ بنتی ہے اور پھر (Journd citation Reports) کی رپورٹ میں اسے شایع کیا جاتا ہے۔

نسبت کی یہ کیفیت نہ مقالہ کے اعتبار سے ہوتی ہے اور نہ لکھنے والے کے اعتبار طے کی جاتی ہے بلکہ ۳سال کے ایک پورے دورے کا حساب کیا جاتا ہے۔ مختلف ڈیٹا سینٹر جیسےElsivaierاور isi , Scopus

کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مقالات ایرانی دانشوروں نے اپنے مغربی ہم منصبوں کے ساتھ مل کر شائع کئے ہیں وہ ان مقالات کی بنسبت جنہیں اسلامی ممالک نے شائع کیا ہے زیادہ مقبول ہیں اور ان کی تاثیر کی نسبت ذاہ بہت زیادہ ہے۔ ولایتی، نوروزی ۱۳۷۸ ،۸۰،۷۰

مختلف ممالک کے درمیان سیاسی روابط ان کے درمیان ان علمی تعاون پر ہی براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں۔

علمی پرکھ رکھنے والے محققین کی تحقیق کے مطابق ایران اور عراق کے درمیان آٹھ سال کی لڑائی میں ایران اور اس کے پڑوسی ملکوں کے درمیان علمی تعاون بالکل ختم ہوگیا اس کے بعد اصلاح طلب پارٹیوں کے برسر اقتدار آنے اور سیاسی نظریات میں مناسب تبدیلی کی بناء پر علمی تعاون کی مقدار میں اضافہ ہوا اور اب مسلسل ہو رہا ہے روس، ترکی، ارمنستان کے ساتھ ایران کے سیاسی روابط نے ان ممالک کے درمیان علمی تعاون بحال کرنے اور اس کو بڑھاوا دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ (مذکورہ حوالہ)

جدید ایجادات کو نوٹ کرنے کے لئے بین الاقوامی تعاون ن علمی نقل وانتقال کا ہی اہم حصہ ہے۔

شکل نمبرا کے مطابق سن ۲۰۰۶ء سے ۲۰۱۰ء تک ترکی میکسیکو روس برازیل اور چین نے بھی بہت ترقی حاصل کر لی ہے۔ (British Council 2012-27)

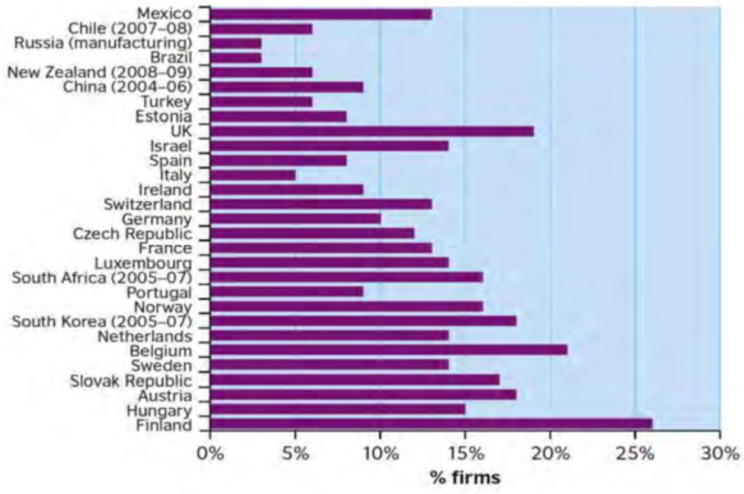

شکل ۲۔عالمی اداروں کی بین الاقوامی ایجادات میں تعاون کی مقدار

اس شکل کے مطابق ترکی جیسے ملک میں تقریباً دس فیصد ایجادات بیرونی ہم منصبوں کے ذریعے انجام پاتی ہیں۔

غیر یقینی کلیدی صورتحال کو سمجھنا

اس مقالے میں اسلامی تمدن کے مستقبل کی مختلف صورتوں کے بارے میں تحقیق کے مطابق اسکا موضوع سماجی اور ثقافتی محرکات کو قرار دیا گیا ہے اس مقالہ میں اسلامی ممالک کے آپسی تعاون پر اثرانداز اسباب و عوامل کے وسیع دائرہ کار اور اس سلسلے میں علمی نقل و انتقال کے کردار پر تاکید کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں انجام پانے والی تحقیقات جو طلاب کے ردوبدل، تحقیقی اور تعلیمی پروگراموں کے اجراء نیز ان علمی مقالات کے بارے میں جو بین الاقوامی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں ان کی باہمی تالیف کے مطابق کی گئی ہیں ان کے نتیجے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے اسلامی تمدن کے مستقبل کے لئے اسلامی ممالک کے درمیان آپسی تعاون کی کیفیت مناسب صورتحال کی حامل نہیں ہے۔

اسلامی ممالک کا علم و صنعت کی راہ میں اصلی تعاون صرف غیر اسلامی اور مغربی ممالک کے ساتھ ہے، اس

موضوع کے اہم ترین غیر یقینی عناصر، اسلامی ممالک کی حکومتیں اور اسلامی ممالک میں تشکیل پانے والے علمی اجتماعات کا رجحان ہے۔

واضح لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغرب کی طرف رجحان رکھنا یا اسلامی حکومتوں کا مستقل ہونا ایک طرف سے اور اسلامی ممالک کے علمی طبقات کا مغربی ممالک کے ساتھ تعاون کو فروغ دینا دوسری طرف سے، ان ممالک کے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی راہ میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک عام اسلامی سوچ اور اسلامی تمدن کی تشکیل کا راستہ ہموار ہو سکتا ہے۔

اسی بنیاد پر اسلامی تمدن کے مستقبل میں بہتر شکل اختیار کرنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر علمی نقل و انتقال اور آپسی تعاون کے موضوع تحقیق کی گئی ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ غیر یقینی بیان، اسلامی ممالک کے درمیان ایک طریقہ کار تک رسائی کے بارے میں کئے جانے والے مطالعہ اور تحقیقات کا نتیجہ ہے۔ (نگاہ کنید بہ صفوی ۱۳۷۸)

اسلامی تمدن کا متبادل مستقبل

دونوں شناختہ شدہ اصلی محرکات یعنی اسلامی حکومت اور وہاں کے علمی طبقات کے رجحان کے بارے میں تحقیق و جستجو کی بنیاد پر ان دونوں میں مندرجہ ذیل دوگانگی کو سمجھا جاسکتا ہے:

الف: ۱۔ موقوف حکومت ۲۔ مستقل حکومت: مستقل حکومت کی توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ حکومت، علمی طبقہ کے ساتھ تعاون کو بڑھاوا دینے کی راہ میں آسانیاں فراہم کرے جبکہ موقوف حکومت کی ساری توجہ اپنی آیڈیولوجیکل دلیلوں کی بنیاد پر صرف اپنے آرمانی مقاصد (utopia) پر رہتی ہے جنہیں وہ حکومت صرف اسلامی ممالک میں ہی نہیں بلکہ مغربی دنیا میں بھی پھیلانا چاہتی ہے۔

ب: روابط پسند علمی طبقہ اور غیر روابط پسند علمی طبقہ: روابط پسند علمی طبقہ کی ساری توجہ اس موضوع پر ہوتی ہے کہ ملک کے علمی طبقہ کے روابط باقی ممالک کے اپنے جیسے علمی طبقات کے ساتھ بڑھتے رہیں۔ جبکہ غیر روابط پسند علمی طبقہ ان علمی پروگراموں پر توجہ رکھتا ہے جو بقیہ مالک سے رابطہ بڑھانے کے قائل نہیں ہوتے بلکہ صرف علم و صنعت کی راہ میں ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ رابطہ بڑھانے پر تاکید کرتے ہیں۔

شکل نمبر ۳ میں دکھائے گئے مستقبل کے ۴ متبادل:

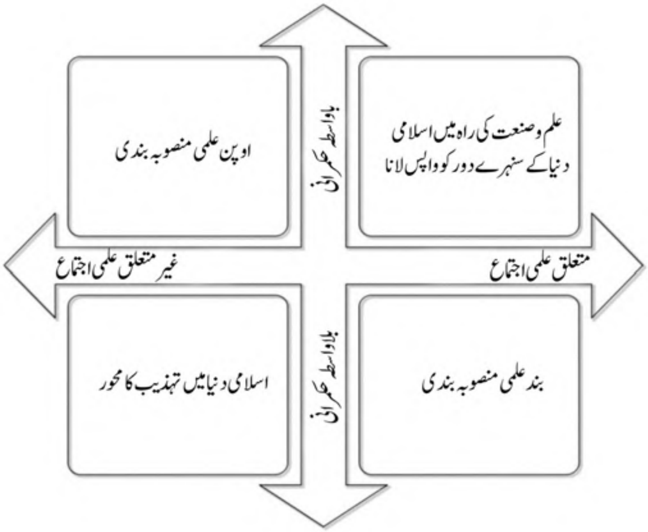

شکل ۳۔ اسلامی تمدن کے مستقبل میں متبادل

۱۔ علم وصنعت کی راہ میں اسلامی دنیا کے سنہرے دور کو واپس لانا

۲۔ اوپن علمی منصوبہ بندی

۳۔ بند علمی منصوبہ بندی

۴۔ اسلامی دنیا میں تہذیب کا محور

شکل نمبر ۳۔ اسلامی تمدن کے مستقبل میں متبادل

مذکورہ شکل کے مطابق اسلامی ممالک کے مستقبل میں بین الاقوامی علمی نقل و انتقال کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیل کے مطابق تحقیق کی جا سکتی ہے:

الف۔ علم وصنعت کی راہ میں اسلامی دنیا کے سنہرے دور کو واپس لانا

یہ منظر نامہ منصوبہ اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ ماضی کی اس صورتحال کی طرف واپس جایا جائے جس میں حکومتیں اور علمی طبقات دونوں علمی نقل انتقال اور آپسی تعاون کے قائل اور پابند ہوں۔

ب-اوپن علمی منصوبہ بندی

اس منظر نامہ یا منصوبے کی توجہ اس صورتحال پر ہوتی ہے کہ اسلامی ممالک کی حکومتیں مستقل ہوں اور علمی نقل وانتقال کے روابط کی وسعت کے لئے اسباب فراہم کریں۔ جبکہ وہ علمی تحقیقات، اسلامی ممالک کے ساتھ رابطہ اور تعاون کے پابند نہیں ہوتے بلکہ اس کے مقابلے میں صرف علم وصنعت کی راہ میں ترقی یافتہ ممالک کے ساتھ روابط بڑھانے پر تاکید کرتے ہیں۔

ج-بند علمی منصوبہ بندی

اس منظر نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمی طبقات، اسلامی ممالک کے ساتھ تعاون کو بڑھاوا دینے پر مائل تھے لیکن وہاں کی حکومتیں اپنی آڈیولوجی اور سیاسی وجوہات کی بناء پر اس کی قائل نہیں تھیں بلکہ اس کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتی تھیں۔

نتیجہ

اسلامی ممالک کے درمیان یکساں سوچ کسی بھی مجبوری کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ان کے درمیان ایک دوسرے سے مشابہ خصوصیات اور ایک دوسرے سے جڑنے کے باہمی قصد وارادہ کے ساتھ حاصل ہوتی ہے یہ صورتحال اس طرح کی سوچ پر تاکید کرتی ہے جس میں جدوجہد کرنے والے یکساں سماج تک پہونچنے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

اس میں مرحلہ در مرحلہ وہ وسائل و ذرائع دخل انداز ہوتے ہیں جن سے مل کر یہ سماج تشکیل پاتا ہے اس طرح کے مراحل کو رضاکارانہ طور پر اتفاق کے ساتھ طے کیا جانا چاہئے۔ مختلف ممالک یکساں سوچ اور اتحاد کے ساتھ مشترکہ صورتحال اور آپسی اتفاق کے بغیر کام نہیں کر سکتے۔

دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو اتحاد کے سایہ میں وہ ممالک ایک دوسرے کے ساتھ بندھ جاتے ہیں اور آپس

میں صلح و دوستی کے ڈھانچے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں وہ چونکہ ایک دوسرے پر بہت سرمایہ اور انرژی خرچ کرتے ہیں لہٰذا اہم مقاصد کو حاصل کرنے کی راہ میں قدم بڑھا کر کامیابی حاصل کر لیتے ہیں (حسینی مقدم و صنیع اجلال،۱۳۹۱)۔

اسلامی ممالک کے درمیان یکسانیت ،ایک دوسرے کو شریک قرار دینے نیز علمی تعلیمی، تحقیقی، معرفتی، فنی، جدید ٹیکنالوجی کے میدانوں میں حصہ داری کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے اور اس کا اسلامی ممالک کی یکساں سوچ اور اسلامی تمدن کی مطلوبہ کیفیت تک پہنچنے میں اہم کردار ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ممالک کے حکمرانوں کے سیاسی فیصلے قومی اور بین الاقوامی سطح پر آپسی رابطہ کو نظر میں رکھ کر ہونا چاہیے۔ ان ممالک میں فعال تمام مربوط افراد کے درمیان روابط کس طرح سے تنظیم پائے ہیں اس کا آپسی تعاون کی صورتحال کے حصول پر بہت اثر ہوتا ہے۔ (صنیع اجلال،۱۳۹۶)۔

اس سلسلے میں پیش کیے گئے تمام منظر ناموں پر نظر رکھتے ہوئے ان کے پورا ہونے یا نہ ہونے اور متبادل مستقبل اس طرح نظر میں رکھنا چاہیئے کہ تمام طرح کے مفادات حاصل کرنے والے افراد چاہے وہ قومی سطح کے نیچے ہوں یا قومی اور بین الاقوامی سطح کے سب پر نظر رکھ کر ایک نیا منظر نامہ تیار ہونا چاہیئے۔

اس کی پیش کش ہے کہ اس موضوع پر مستقبل میں مستقل تحقیق اور جستجو کو آگے بڑھانا چاہیئے۔

قدردانی

مقالہ نگار یہ ذمہ داری سمجھتا ہے کہ محترمہ ڈاکٹر صنی اجلال اور جناب ڈاکٹر نجاتی حسینی کا شکریہ ادا کرے جنہوں نے اس مقالے کے لکھنے اور اسے بہتر بنانے میں مدد کی ہے۔

منابع

۱۔ابراہیم، حسن، حسن، تاریخ سیاسی اسلام: از آغاز تا انقراض دولت اموی، ترجمہ ابوالقاسم پایندہ، تہران، جاویدان، طبع ششم، ۱۳۶۶

۲۔بزرگمہری، مجید، پذیرش دانشجوی خارجی در کشور: تجربیات و راہ کارہا(ملک میں بیرونی طلاب کے داخلے تجربات اور راستے)، تہران: فصلنامہ اطلاعات سیاسی، اقتصادی، ش ۲۳۳-۲۳۴، (۱۳۸۵) ص ۱۹۵—۱۸۸

۳- حسینی مقدم، محمد و صنیع اجلال، مریم؛ همگرایی جهان اسلام و آینده تمدن اسلامی، فصلنامه مطالعات سیاسی جهان اسلام، دوره ۱، شماره ۳، پاییز ۱۳۹۱، صفحه ۱- ۱۹

۴- رجایی، فرهنگ؛ پدیده جهانی شدن؛ ترجمه عبدالحسین آذرنگ؛ تهران: نشر آگه؛ ۱۳۸۲

۵- صفوی، سید یحییٰ؛ وحدت جهان اسلام: چشم انداز آینده، تهران: نشر شکیب، ۱۳۸۷

۶- صلاحی، پرویز و بسناس، مهری، تاریخ مدارس خارجی در ایران، تهران: آوای نور، ۱۳۸۲

۷- صنیع اجلال، مریم؛ دیپلماسی علم و فناوری: راهبردی نو در توسعه کشورهای اسلامی، فصلنامه مطالعات سیاسی جهان اسلام، سال ۶، شماره ۲۳، پاییز ۱۳۹۶ صفحات ۱۹۳- ۲۱۵

۸- نائت، جین. «موافقتنامه های تجاری: پیامدهایی برای آموزش عالی»؛ مندرج در بر تون، گیل ولامبرت، میشل؛ جهانی شدن و دانشگاه ها؛ ترجمه حمید جاودانی. تهران: پژوهشکده مطالعات فرهنگی و اجتماعی، ۱۳۸۷

۹-British Council. The shape of things to come: higher education global trends and emerging opportunities to 2020. 2017. Available at: http://www.britishcouncil.org/ihe/educationintelligence

۱۰-UNESCO, Global Flow of Tertiary-Level Students, 2017. Available at: http://www.uis.unesco.org/Education/Pages/international-student-flow-viz.aspx

۱۱-Department for Business, Innovation and Skills. International education strategy: global growth and prosperity. July 2013. Available at: www.gov.uk/bis